ممتا کی قربانی

حسینی شاعر جناب سید ظفر عباس نقوی فضل اجتہادی

میدان جنگ کی گرمی سے کھولتے ہوئے ستارے ڈوبنے کا نام نہیں لیتے رات کی سیاہی چھٹتی ہی نہیں، صبح کا نشان ہی نہیں۔ نیند آتی ہی نہیں۔ یہ رات اور اس کی ساعتیں کیسی ہیں جو ختم ہونے پر نہیں آتیں۔ سوجا، میرے لال! سوجا، ماں کے دل کی ٹھنڈک سو جا۔ آنکھوں کے اجالے سو جا، مگر یہ کیا ہے!! ہونٹ تو اس لئے سوکھے ہیں کہ تین روز سے دودھ تو دودھ، پانی کا ایک قطرہ بھی نہیں ملا۔ شاید اسی لئے جب بچہ روتا ہے تو آنکھیں بھی ٹمٹماتے ہوئے چراغ کی طرح بند ہو جاتی ہیں۔ لیکن آنسو نہیں نکلتے۔

اگر بچہ بھوکا پیاسا ہو، تو جھولے کا پینگ بھی اس کے ننھے سے تڑپتے ہوئے دل کو سکون نہیں دے سکتا۔ ماں کی گود بھی اس کو آرام نہیں پہنچا سکتی۔ پھوپھی کی لوریاں بھی تسلی کا سبب نہیں بن سکتیں۔ پھر پیاس بھی۔ نہ گھنٹہ بھر کی، نہ دو گھنٹہ کی۔ ساتویں سے دسویں کی رات آگئی۔ نہ خیموں میں پانی، نہ اختیار میں پانی۔

ماں بچہ کو گود میں لے کر کبھی کھڑے ہو کر بہلاتی ہے اور کبھی بیٹھ کر۔ مگر خدا نہ کرے کہ ماں کی لوریاں زانوئے موت کی حرکت بن جائیں۔

محرم کی دسویں کا وہ آفتاب جو تیرہ سو برس بعد بھی خون کی نہر میں غوطہ لگا کر ابھرتا ہے، کربلا کے افق پر نمودار ہوا اور تلواروں کی چھاؤں میں کلام مجید کی آیتیں سنانے والے نے ایسے امتحان کے لئے کمر باندھی جیسا امتحان نہ کسی پیغمبر یا رسول کا ہوا، نہ ہو سکتا تھا، کیونکہ نہ اس کے سینے میں حسینؑ جیسا دل تھا نہ حسینؑ جیسی ہمت۔

سنسناتے ہوئے تیروں نے جنگ کا آغاز کیا اور حسینؑ جیسے سخی نے خدا کی بارگاہ میں ہدیہ پیش کرنا شروع کر دیئے۔

میرے مالک۔ یہ حبیب ابن مظاہر اور مسلم ابن عوسجہ جیسے ضعیف حاضر ہیں۔ ان کا امتحان اگر چہ ایک ہی مرتبہ مرنے میں تیری رحمت مکمل کر دے گی لیکن اگر تو ستر مرتبہ بھی ان سے ایسا ہی امتحان لیتا رہے گا تو پیری اور ضعیفی کے باوجود ان کے پائے ثبات میں تھرتھراہٹ نہیں پیدا ہو سکتی اے میرے پیدا کرنے والے! یہ جون جیسا حبشی اپنے سیاہ خون میں غرق تیرے دین کے نام پر کربلا کی جلتی ہوئی ریگ پر آرام کر رہا ہے۔ اور یہ میرے مختصر لشکر کے باوقار علمدار کی لاش ہے۔ جسم ٹکڑے ہے مگر موت بھی اس کی شجاعت اور اس کے ارادوں کو پراگندہ نہ کر سکی۔ یہ دیکھ۔ مقتل میں قاسمؑ کی خون بھری میت ہے جو میرے بھائی کی نشانی تھا۔ میرے مالک! نگاہ وحدت سے علی اکبر کا زخم سناں دیکھ لے۔ یہ تیرے حبیب کی چلتی پھرتی شبیہ تھی جب نانا کی زیارت کو دل تڑپتا تھا تو علی اکبر کو سر سے پاؤں تک دیکھ لیتا تھا۔ یہ گرمی، یہ میدان، یہ مقتل، یہ موت کی گرماگرمی، نوجوان کی میت، میرا دل اور بے نور آنکھیں۔ مگر دیکھ لے۔ تیرے حسینؑ کے قدم، اکیلے جوان کی لاش خیمہ تک لے جانے میں ڈگمگاتے تو نہیں؟ اس کی شہادت کے بعد ممکن تھا کہ دنیا یہ سمجھ لے کہ حسینؑ کا خزانہ خالی ہو گیا۔ نہیں، نہیں۔ میرے مالک! تیری عطا لازوال ہے تو حسینؑ کا خزانہ بھی ہمیشہ چھلکتا رہے گا۔ مجھے تو اپنا باغ لٹا دینے سے پہلے بھی تیری خوشی اور رضا چاہئے تھی اور لٹا دینے کے بعد بھی صرف تیری رضا چاہئے۔ تو پھر کیوں اٹھا رکھوں یہ آخری ہدیہ۔ جس کے بعد صرف میری شہادت کا مرحلہ رہ جاتا ہے۔

لاؤ، رباب لاؤ۔ وہ آخری چراغ بھی مجھے دے دو جو بجھ

جانے کے بعد بھی اپنی ضیاؤں سے دو عالم کو روشن و منور کرتا رہے گا۔ اور وہ ہے میرا بچہ علی اصغر۔

حضرت اسمٰعیلؑ کی ماں نے کہہ دیا تھا کہ بیٹے کو ساتھ لیتے جاتے ہو تو پھر چھری اور رسی کا کیا کام ہے؟ لیکن مادر علی اصغر نے یہ نہیں کہا کہ چھ مہینے کا بچہ اور میدان جنگ۔ سنسناتے ہوئے تیر اور علی اصغر، چمکتی ہوئی برچھیاں اور چھ مہینے کی جان۔

جلدی سے گہوارہ تک آئیں۔ اور اللہ جانے دل نے کیا کہا کہ جوڈبڈباتی ہوئی آنکھوں سے بچہ کو دیکھا اور شاید آخری مرتبہ۔

اے زبان سے رسول اللہ کا کلمہ پڑھنے والے کربلا کے مسلمانو! دیکھو خیمہ کا ہلکا پردہ اٹھا کر حسینؑ اپنے پرعظمت خزانہ کا آخری لال لا رہے ہیں۔ جنات امام حسینؑ کا دل دیکھ کر کانپ رہے ہیں۔ پیغمبران اولوالعزم دلوں پر ہاتھ رکھے ہوئے حسینؑ کو دیکھ رہے ہیں۔ جبرئیل بار بار چاہتے ہیں کہ باغ نبوت کے اس مرجھائے ہوئے پھول کو گود میں لے کر عرش پر چلے جائیں۔ ہاں! ٹھیک ہے علی اصغر کا ٹھکانا تو عرش خدا، نگاہ وحدت، دادی کی گودی یا علیؑ کے سینے اور نبیؐ کے دل میں ہے۔ مگر یہ جبرئیل کے ذریعہ سے نہیں جائیں گے بلکہ انھیں تو موت کا مالک لوریاں دے کر لے جائے گا۔

اگر دنیا کے کسی قوی ہیکل انسان کو تین دن پانی نہ ملے تو شاید اس کی آنکھیں بھی اس کے ارادے سے نہ کھلیں گی، نہ بند ہوں گی۔ مگر حسینؑ کے بچہ کا وہ ننھا سا دل تو دیکھئے جس میں صرف ایک ارمان ہے اور وہ ہے امت کی بخشش۔ نہ تو اس میں بھوک نے اضطراب پیدا کیا، نہ پیاس سے اس کے ارادوں میں کمزوری آئی۔ ہلکے اشارے سے پانی مانگا۔ اور مسکرا کر تیر کھایا۔ معلوم نہیں صبر کی اس آخری حد کو دیکھنے کے لئے انبیاء اور ملائکہ کی آنکھیں کھلی تھیں یا بند؟

تیر بھی نکالا۔ بچہ کا خون بھی منہ پر ملا اور جس عزم کے ساتھ میدان کی جانب گئے تھے، اسی عزم کے ساتھ واپس آئے۔ مگر سنتے ہیں کہ جب خیمہ قریب آ گیا تو چند قدم آگے بڑھے اور پھر پلٹے۔ اسی طرح کئی بار آگے بڑھے اور پیچھے لوٹے۔ لوگ کہتے ہیں کہ رباب کے ٹوٹے ہوئے دل کا خیال آ گیا۔ ہوسکتا ہے کہ ذاکرین کا یہ خیال صحیح ہو۔ مگر کیا وہ حسینؑ جو اکبرؑ کی میت لا کر صبر کی آنکھوں سے مادر علی اکبرؑ پر نگاہ کر سکتے تھے۔ مادر علی اصغرؑ سے یہ فرماتے ہوئے پس و پیش کرے کہ تیرا بچہ بھی علی اکبرؑ کی طرح شہید ہو گیا۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ امام رضائے الٰہی کے لئے صبر کی منزلوں کا اضافہ کر رہا تھا۔

'رباب' امام کی آواز سن کر اٹھ بیٹھیں۔ عام دل رکھنے والی کوئی ماں ہوتی تو وہ یہی سمجھتی کہ میرا بچہ پانی پی کر واپس آیا ہوگا۔ مگر مادر علی اصغرؑ انوار امامت کی چھاؤں میں رہنے کے بعد یہ کیسے سمجھ سکتی تھیں، جب کہ وہ بھی تو صرف یہی چاہتی تھیں جو امام حسینؑ چاہتے تھے۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے خیمہ کا پردہ اٹھایا۔ امام کی گود میں خون میں ڈوبے ہوئے بچہ پر نگاہ پڑی۔

پوچھا۔ کیا یہ میرا بچہ ہے؟

امام تو خاموش رہے مگر موت کے فرشتہ نے آنکھوں میں آنسو بھر کر کہا۔ نہیں۔ نہیں۔ یہ تو تیری مامتا کی لاش ہے۔ جس کے زخم سے خون حقیقت کے معصوم قطرے ٹپک رہے ہیں۔ ❁❁❁